

03743



دارالعلوم

فہم باب مفسر

آنحضرت سے چند سال کا صلہ نہ تھا کہ وہ نے کتب سے انکی میں جہ پر اصل بیان ہے کہ جب جنس لہو قدر علی ہوں تو تفصل کہ نشاء دونوں جہم ان جب کوئی ایک ہو تو تفصل جائز لہو نہ حرام ہے۔

۱۔ ایسا سوال میں بعض صورتیں تجارت کی ایسی ہیں کہ جنکی وضاحت درج ذیل ہے۔ ایک دکاندار ہے کہتا ہے کہ آج اپنی بی بی اور بیٹی کے لئے خریدیں۔ سب فریج، واشنگین مشین، برتن، ٹرانک، طرہ، ہلکے اور ہونے پرانی برتنوں میں سے عزیزان کے لئے (مثلاً اسکی قیمت اسکا اسکی جنس (نشاء اسٹیل/سٹیل) کے لئے برتن کی قیمت سے زیادہ ہونے کی قیمت شہاد کی بنا پر دیکھو۔ لاکھ سے زائد ہے؟ اسلئے کہ جنس انکی ہے لہو وزن لہو قدر میں کمی زیادتی ہے۔ اسلئے کہ وہ سلو کے برتن برتنوں کو لڑھکا لہو ہونے کے حساب سے دکاندار اسلیں لیتا ہے ہلکے لئے برتن سلو ہے کے حساب سے ہونا کو ملتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی وہ طرح برتن برتن دکاندار کے لئے چکا ہے تو اب کیا حکم ہے۔ اسلئے کہ وہ نیا ہی استعمال ہو چکا لہو برتن دکاندار رہتا ہے کجاں بھی بیچ چکا ہوگا۔ اسلئے والی صورت میں مشکل ہے۔

۳۔ یہ مسئلہ برتن فریج، مشین، کار، وزن، جہوز کا ہے۔ ان سبھی میں دو برتنی کار میں دیکھ ایک نیا کار خریدتا ہے اسکا کیا حکم ہے اسلئے کہ کار عدوی ہے گل اسکا اصل لہو ہونے ہے۔

۴۔ جہاں یہ سوال ہی پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی چیز کی اصل وزن یا کتلہ ہو چکا ہے وہ صورتہ خصوصاً میں عدوی فریج ہوتا ہے تو وہ عدوی ہونے یا وزن؟ مسئلہ روٹی کو فقہاء نے عدوی شمار کیا ہے جبکہ اسکی اصل آٹا کیلئے ہے گل اسلئے لہو کار، مشین، گلاس، وزن میں یہ فرق بہر حال ہے کہ روٹی اپنی اصل کی طرف راجع نہیں کرتی جبکہ کار، جہوز، لہو ہونے سکتی ہے کہ یا روٹی میں عارضیت تبدیل ہو گیا ہے۔ عارضی لہو کی وجہ مسئلہ

۵۔ بعض دفعہ ایک شخص ایک دکان سے گوشت خریدتا ہے فریج میں اس دکاندار کے پاس کوئی چیز نہ ملتی ہے اسلئے وہ لہو دکاندار سے فقہاء کہہ رہا ہے کہ ما اندر عرف ہے ہلکے جب پورے دکاندار کے پاس نہ ملتا ہے تو لہو دکاندار کو اتنی مقدار والی کہ لگا تو یہ فرض ہے لہو اصل کے مطابق جنس باقیہ ایک ہونے نساء حرام تو یہاں کیا حکم ہے؟ جبکہ یہ طریقہ تو عام رائج ہے۔ اسکا کوئی مقابلہ ہے؟

۶۔ ایک ٹاپیک کہ دکان پر اپنی مقدار میں چیز ملے کہ نہیں ملے تو دکاندار یا ٹاپیک پر کہتا ہے کہ میں کل لہو میں آگیا ہے یہاں کوئی یا یہاں کوئی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں دکاندار کا لہو لہو میں دکاندار کا لہو لہو درست ہے؟ اسلئے کہ بظاہر وہ دیکھ سکتی ہے لہو دیکھ کر جو سبب نفع ملتا ہے وہ برکت کی طرف جاتا ہے۔ اس صورت کا کیا حکم ہے جبکہ یہ بھی ہندوستان میں رائج ہے۔

۷۔ اگر دکاندار مشین کی ہے کوئی ٹاپیک چکا لہو کے لئے کہ کوئی دکاندار اس میں دیکھتا ہے یا نہ دیکھتا ہے تو کیا حکم ہے؟

۸۔ دکاندار کو لہو سے نفع لے سکتا ہے اسلئے کہ بعض دفعہ دکاندار دکان کے لئے لہو سے نفع لے لے گا۔

(۳)

بسم الله الرحمن الرحيم

برای پرداخت تمام حقوق و مطالبات من در این خصوص

القدر حسن نظامی

۲۲ فرم ۱۴۳۸
۲۴ اکتبر ۲۰۱۶

LS.28 سکنه تهران اوج تانگه کازرون ۴۱

0321-31.41.984

(عزیز منگه)



یا

س

فا

(۱)۔۔۔ پرانی چیز زیادہ دیکر اسی جنس کی نئی چیز کم لینے کا معاملہ دو طرح کیا جاسکتا ہے:
 (الف) پہلی صورت (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) یہ ہے کہ پرانی چیز کی قیمت الگ لگائی جائے اور نئی چیز کی الگ، پھر پرانی چیز کی جو قیمت لگائی گئی تھی اس کو نئی چیز کی قیمت سے منہا کر کے باقی قیمت وصول کی جائے، یعنی پرانی چیز کی جتنی قیمت بنتی ہو، نئی چیز کی قیمت کے اتنے حصے کا اس سے مقاصد کر لیا جائے اور نئی چیز کی بقیہ قیمت وصول کر لی جائے۔ اس صورت میں پرانی چیز کی خرید و فروخت کا معاملہ الگ ہو گا اور نئی چیز کی خرید و فروخت کا معاملہ الگ، دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ نہیں ہو گا، اس لئے تقاضل اور نسیئہ کی بحث یہاں نہیں آئے گی۔ لہذا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کوئی اور خرابی نہ پائی جا رہی ہو۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ پرانی چیز اور نئی چیز کی قیمت الگ الگ مقرر نہ کی جائے، بلکہ دونوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ چیزیں سونے چاندی کی بنی ہوئی نہ ہوں (ان سے متعلق تفصیل جواب نمبر: ۲۰ میں آرہی ہے) اور مارکیٹ کے عرف میں ان چیزوں کو وزن کے حساب سے نہ بیچا جاتا ہو بلکہ عددی ہوں یعنی گنتی کے اعتبار سے قیمت لگائی جاتی ہو، تو پرانی چیز زیادہ دیکر نئی چیز کم لینا جائز ہے۔ البتہ اگر عرف میں ان چیزوں کو وزن کے حساب سے بیچا جاتا ہو تو پھر پرانی چیز زیادہ دیکر نئی چیز کم لینا جائز نہیں ہو گا۔ لہذا برتن اگر مارکیٹ میں عدد کے حساب سے بیچے جاتے ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز ہوگی، لیکن اگر وزن کے حساب سے بیچے جاتے ہوں تو پھر ایک جنس کے برتنوں میں کمی بیشی جائز نہیں ہوگی۔ جہاں تک کار، مشین اور فرنیچ وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ اشیاء زیادت صنعت کی وجہ سے اپنی اصل یعنی لوہے وغیرہ سے الگ جنس شمار ہوتی ہیں اور ان کو عدد کے حساب سے بیچا جاتا ہے نہ کہ وزن کے حساب سے، اس لیے دو پرانی کاریں دیکر اسی جنس کی ایک نئی کار لینا، اسی طرح دو پرانی مشینیں دیکر اسی جنس کی ایک نئی مشین لینا جائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں وزنی نہیں بلکہ عددی ہے، اس لیے ان میں کمی بیشی جائز ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں عبارت نمبر: ۶۲۱)

البتہ یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ دوسری صورت چونکہ دو ہم جنس اشیاء کے تبادلے سے متعلق ہے اس لیے کمی بیشی جائز ہو یا نہ، ہر صورت میں بدلیں پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری ہو گا۔ لان الجنس بانفرادہ یحرم النسیئہ.



(۲)۔۔۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اگر کسی چیز کی اصل وزنی یا کیلی ہو اور وہ چیز صورت مخصوصہ میں

عددی فروخت ہوتی ہو تو وہ عددی ہوگی یا وزنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

• جن اشیاء کا کیلی یا وزنی ہونا احادیث سے ثابت ہے، عرف کی وجہ سے ان کا حکم بدلنے یا نہ بدلنے میں حضراتِ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔ حضراتِ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرف کی وجہ سے ان کا حکم تبدیل نہیں ہوگا۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی چیز کے کیلی یا وزنی ہونے یا نہ ہونے کا مدار عرف پر ہے، اس لیے احادیث سے جن اشیاء کا کیلی یا وزنی ہونا ثابت ہے، اگر ان کے بارے میں عرف بدل جائے تو ان کا حکم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ احادیث سے چار اشیاء یعنی گندم، جو، کھجور اور نمک کا کیلی ہونا اور دو اشیاء یعنی سونا چاندی کا وزنی ہونا ثابت ہے۔

• ان کے علاوہ دیگر اشیاء جن کا کیلی یا وزنی ہونا احادیث سے ثابت نہیں، ان میں بالاتفاق عرف کا اعتبار ہوتا ہے، عرف بدلنے سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اس لیے اگر عرف میں کسی دھات مثلاً لوہے وغیرہ کو تو وزنی شمار کیا جاتا ہو لیکن اس سے بنی ہوئی اشیاء کو عدوی شمار کیا جاتا ہو تو عرف بدلنے کی بناء پر ان چیزوں کو عدوی شمار کیا جائے گا۔ اور اگر عرفاً لوہے وغیرہ سے بنی ہوئی اشیاء اپنی صورت مخصوصہ میں بھی وزن فروخت ہوتی ہوں تو اس صورت میں وہ چیزیں وزنی شمار ہوں گی۔

(ملاحظہ فرمائیں عبارت نمبر: ۶، ۵، ۴)

(۱) الدر المختار (۵/۱۶۸)

باب الربا: هو لغة مطلق الزيادة وشرعا (فضل) ولو حکما فدخل ربا
النسيئة والبيع الفاسدة فكلها من الربا فيجب رد عين الربا قائما لا رد
ضمانه لأنه يملك بالقبض، قنية و بخر (خال عن عوض) خرج مسألة
صرف الجنس بخلاف جنسه (بمعيار شرعي) وهو الكيل والوزن فليس الذرع
والعد ربا.

(۲) حاشية ابن عابدين (۵/۱۶۹)

قوله (فليس الذرع والعد ربا) أي بذوي ربا أو بمعيار ربا فهو على حذف
مضاف أو الذرع والعد بمعنى المذروع والمعدود أي لا يتحقق فيهما ربا، والمراد
ربا الفضل أي ربا النسيئة فلو باع خمسة أذرع من المروي بستة أذرع منه



أو بيضة بيضتين جاز لو بدأ بيداً لا لو نسيئةً لأن وجود الجنس فقط يحرم النساء لا الفضل كوجود القدر فقط كما يأتي.

(٣) فقه البيوع (٦٦٩/٢)

قد يكون أصل الشيتين واحداً، ولكن في أحدهما زيادة صنعة، مثل الخبز مع الدقيق، فإن الخبز أصله دقيق، ولكن دخلت فيها الصنعة بما أفردت له اسماً، وصار عددياً، فصارا جنسين، كما في فتح القدير.

(٤) الهداية (٦٢/٣)

قال: وكل شيء نص رسول الله عليه الصلاة والسلام على تحريم التفاضل فيه كيبلاً فهو مكيل أبداً وإن ترك الناس الكيل فيه كالحنطة والشعير والتمر والملح، وكل ما نص على تحريم التفاضل فيه وزناً فهو موزون أبداً وإن ترك الناس الوزن فيه مثل الذهب والفضة؛ لأن النص أقوى من العرف والأقوى لا يترك بالأدنى، وما لم ينص عليه فهو محمول على عادات الناس لأنها دلالة، وعن أبي يوسف أنه يعتبر العرف على خلاف المنصوص عليه أيضاً؛ لأن النص على ذلك لمكان العادة فكانت هي المنظور إليها وقد تبدلت، فعلى هذا لو باع الحنطة بجنسها متساوياً وزناً أو الذهب بجنسه متمثلاً كيبلاً لا يجوز عندهما وإن تعارفوا ذلك لتوهم الفضل على ما هو المعيار فيه كما إذا باع بمجازفة.

(٥) فتح القدير (١٥،١٦/٧)

(وعن أبي يوسف رحمه الله أنه يعتبر العرف على خلاف المنصوص عليه أيضاً لأن النص على ذلك) الكيل في الشيء أو الوزن فيه ما كان في ذلك الوقت إلا لأن العادة إذ ذلك بذلك (وقد تبدلت) فتبدل الحكم. وأجيب بأن تقريره صلى الله عليه وسلم إياهم على ما تعارفوا من ذلك بمنزلة النص منه عليه فلا يتغير بالعرف؛ لأن العرف لا يعارض النص كما ذكرناه آنفاً، كذا وجهه. ولا يخفى أن هذا لا يلزم أبا يوسف لأن قصاره أنه كتصه على ذلك وهو يقول يصر إلى العرف الطارئ بعد النص بناءً على أن تغير العادة يستلزم تغير النص حتى لو كان صلى الله عليه وسلم حياً لنص عليه على وزن ما ذكرناه في سنية التراويح مع أنه صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليه بل فعله مرة ثم ترك لكن لما بين عذر خشية الافتراض على معنى لولاه لواظب حكم بالسنية مع عدم المواظبة؛ لأننا أمنا من بعده النسخ فحكمنا بالسنية، فكذا هذا لو



تغيرت تلك العادة التي كان النص باعتبارها إلى عادة أخرى تغير النص. والله أعلم..... (فعلى هذا لو باع الخنطة بمنسها متساوياً وزناً أو الذهب بمنسها متماثلاً كيبلاً لا يجوز عندهما) أى عند أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى.... أما الوزني نصاً وعادةً كما في إثناءين من جنس واحد حديد أو ذهب أو فضة أحدهما أكثر وزناً من الآخر: ففي الإثناءين من غير النقدين يجوز بيع أحدهما بالآخر إذا كانت العادة أن لا يباعان وزناً لأنه عددي متقارب وفي أوالي الذهب والفضة لا يجوز فإنه يجري فيهما ربا الفضل وإن كانت لا تباع وزناً في العادة؛ فإن الوزن في الذهب والفضة منصوص عليه فلا يتغير للصنعة بالعادة وأما في الحديد ونحوه فالوزن فيه ثابت بالعرف فيخرج بالصنعة أيضاً من أن يكون موزوناً بالعرف.

(٦) فقه البيوع (٢/٦٧٤، ٦٧٣) تأثر العرف في الكيل والوزن:

ثم أكثر الفقهاء على أن مانص عليه النبي الكريم صلى الله عليه وسلم بجرمة التفاضل فيه كيبلاً يبقى مكيبلاً في الشرع إلى الأبد، وتجب المساواة بالكيل عند تبادلته بالمتجانس، ومانص على تحريم التفاضل فيه وزناً، فهو موزون أبداً، ويجب التساوى بينهما في الوزن، سواء تغير عرف بلد أو بلاد، فأصبح المكيل موزوناً، مثل الخنطة والشعير والتمر؛ فإنها كانت مكيلة في عهد النبي الكريم صلى الله عليه وسلم، ولكن تغير عرف كثير من البلاد، فأصبحت تباع وتشترى بالوزن، ولكنها تبقى مكيلة في الشرع، فتجب المساواة بينها في الكيل، ولا تعتبر المساواة في الوزن. وهذا مذهب الشافعية والحنابلة والمالكية، وهو الصحيح من مذهب أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى. وروى عن أبى يوسف رحمه الله تعالى أنه يعتبر في ذلك العرف، ولو على خلاف المنصوص؛ لأن النص على ذلك لمكان العادة، فكانت هي المنظور إليها، وقد تبدلت، فعلى هذا لو تغير العرف في الخنطة أو الشعير أو التمر، بأن أصبحت تباع وتشترى وزناً، جاز بيعها بمنسها متساوية وزناً، ولا يجب التساوى في الكيل. وحجة الجمهور أن النص أقوى من العرف، ولكن رجح ابن الهمام قول أبى يوسف رحمهما الله تعالى..... وعلى قول أبى يوسف رحمه الله تعالى أفنتى كثير من متأخري الحنفية، وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "ولا يخفى أن هذا فيه تقوية لقول أبى يوسف". وقال رحمه الله تعالى في "نشر العرف": "وعلى هذا، فلو تعارف الناس بيع الدراهم بالدراهم، أو استقرضها



بالعدد، كما فى زماننا، لا يكون مخالفاً للنص، فالله تعالى يجزى الإمام
أبايوسف عن أهل هذا الزمان خير الجزاء، فلقد سد عنهم باباً عظيماً من
الربا. ثم قال:..... "فعلى قولهما (أى أبى حنيفة ومحمد) جميع عقود أهل
هذا الزمان فاسدة..... ولا يخفى أن فى قولهما (أى قول أبى حنيفة ومحمد)
فى هذا الزمان حرجاً عظيماً لما علمته من لزوم هذه المظهورات. وقد ركز هذا
العرف فى عقولهم من عالم وجاهل، وصالح وطالح، فيلزم منه تفسيق أهل
العصر، فيتعين الإفتاء بذلك على هذه الرواية عن أبى يوسف." ثم هذا
الخلاف فى مانص عليه النبى الكرم صلى الله عليه وسلم بكونه مكياً
أوموزوناً. أما الأشياء التى لم يرد فيها نص بكونه مكياً أو موزوناً، مثل
الأرز، فمذهب جميع الحنفية والمالكية أنه يعتبر فيه العرف والعادة، فما كان
مكياً فى العرف، فهو كىلى، وما كان موزوناً فهو وزنى.

(۳)۔۔۔ واضح رہے کہ "جب جنس یا قدر ایک ہو تو ادھار حرام ہوتا ہے" اس اصول کا تعلق بیع سے ہے، قرض سے
نہیں۔ چونکہ آپ کا سوال قرض سے متعلق ہے؛ اس لیے یہ اصول یہاں لاگو نہیں ہوں گے۔ قرض کے بارے
میں اصول یہ ہے کہ مثلی اشیاء (یعنی کیلی، موزونی یا وہ عددی اشیاء جن میں زیادہ تقادت نہیں ہوتا) بطور قرض دینا درست ہے، اور
قیمی اشیاء (جن کا مثل نہیں ہوتا) قرض دینا درست نہیں۔ اس لیے اگر ایک دکاندار دوسرے دکاندار سے چینی یا کوئی
اور مثلی چیز ناپ کر، یا تول کر بطور قرض لیتا ہے اور بعد میں وہ چیز اتنی ہی مقدار میں واپس کرتا ہے جتنی مقدار میں
لی تھی، اس سے زیادہ دینانہ مشروط ہو نہ معروف ہو تو اس طرح قرض کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

(۱) الدر المختار (۵/۱۶۱)

فصل فى القرض: (هو) لغة ما تعطيه لتتقاضاه وشرعاً ما تعطيه من مثلي
للتقاضاه وهو أخصر من قوله (عقد مخصوص) أي بلفظ القرض ونحوه (يرد
على دفع مال) بمنزلة الجنس (في مثلي) هو كل ما يضمن بالمثل عند
الاستهلاك (لا في غيره) من القيميات كحيوان وحطب وعقار وكل متفاوت
لتعذر رد المثل..... (فيصح استقراض الدراهم والدنانير وكذا) كل (ما يكال
أو يوزن أو يعد متقارباً فصح استقراض جوز وبيض) وكاغد عدداً (ولحم)
وزناً ونخب وزناً عدداً كما سيحى.



(۲) حاشیہ ابن عابدین (۵/۱۶۱)

قوله (فی مثلی) كالملكيل والموزون والمعدود المنقارب كالجوز والبيض، وحاصله
أن المثلي ما لا تنفاوت أحاده أي تفاوتاً مختلف به القيمة فإنه نحو الجوز
تنفاوت أحاده تفاوتاً يسيراً.

(۴)۔۔۔ سوال میں ذکر کردہ صورت میں دکاندار جو مشتری سے کہتا ہے کہ آپ کل آجائیں میں آپ کو یہ چیز مہیا کر دوں گا، تو عام طور پر یہ اس چیز کے فراہم کرنے اور بیچنے کا وعدہ ہوتا ہے، اس لیے مذکورہ معاملہ کی فقہی تکلیف وکالت نہیں، بلکہ وعدہ بیع ہے۔ لہذا دکاندار کے لیے وہ چیز نفع کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ البتہ اگر گاہک اس بات کی تصریح کرے کہ دکاندار یہ چیز بطور وکیل مہیا کرے گا اور دکاندار بھی اس پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں دکاندار کے لیے وکیل ہونے کی وجہ سے وہ چیز نفع کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہوگا۔ تاہم اس چیز کے لانے میں دکاندار کے جو حقیقی اخراجات ہوئے ہوں، ان کو وصول کر سکتا ہے۔ اسی طرح دکاندار نے وہ چیز لانے کی جو خدمت انجام دی ہے اس کی اجرت وصول کر سکتا ہے، البتہ اس اجرت کا پہلے سے طے شدہ ہونا ضروری ہے۔

فقہ البیوع (۱/۹۵، ۹۴)

واتفاقية التوريد عبارة عن اتفاق بين الجهة المشترية والجهة البائعة على أن
الجهة البائعة تورد إلى الجهة المشترية سلعاً أو مواد محدودة الأوصاف في
تواريخ مستقبلية معينة لقاء ثمن متفق عليه بين الفريقين، إذا كان محل
التوريد شيئاً لا يحتاج إلى صنعة، ولا يمكن تخرجه على أساس السلم، فلا يجوز
أن تعتبر الاتفاقية عقداً باتاً للبيع أو الشراء؛ لأنه عقد مضاف إلى المستقبل،
ومنعه جمهور الفقهاء، ولأنه يتأجل فيه البدلان، فيستلزم بيع الكالئ بالكالئ،
ولأن محل التوريد في كثير من الأحوال لا يملكه البائع عند التوقيع على
الاتفاقية، بل ربما يكون معدوماً، فيستلزم بيعاً للمعدوم، أو لما لا يملكه البائع،
وكلاهما ممنوع. فالصحيح أن اتفاقية التوريد لا تعدو من الناحية الشرعية من أن
تكون تفاهماً ومواعدةً من الطرفين. أما البيع الفعلي فلا ينعقد إلا عند تسليم
المبيعات.

(۵)۔۔۔ واضح رہے کہ وکیل باشراف اگر موکل کے لیے خریداری کرنے پر معاوضہ لینا چاہتا ہے تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے موکل سے یہ طے کر لے کہ وہ اس کے وکیل یا ایجنٹ کی حیثیت سے اس کے لیے خریداری کرے گا اور اس کی اجرت لے گا، پھر دونوں باہمی رضامندی سے ایک متعین رقم بطور اجرت مقرر



کر لیں، اس طرح وکیل کے لیے وہ متعین رقم لینا جائز ہوگا۔ لیکن اگر بائع وکیل بالشراء کو وہ چیز (جس کے خریدنے کا اس کو وکیل بنایا گیا ہے) کسی وجہ سے کم قیمت پر دیتا ہے تو بیخ جانے والی رقم موکل کو لوٹانا لازم ہے، وکیل کے لیے اسے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں۔ البتہ اگر بائع وکیل بالشراء کو اس چیز کی پوری قیمت معاف کرے یا پوری قیمت اس کو واپس کرے تو اس صورت میں وہ رقم بائع کی طرف سے وکیل بالشراء کو ہبہ سمجھا جائیگا، اس لیے وکیل بالشراء اس کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ وکیل مطلوبہ چیز خریدتے وقت موکل کی طرف نسبت نہ کرے کہ یہ چیز میں فلاں کے لیے خرید رہا ہوں، اگر وکیل نے موکل کی طرف نسبت کی اور بائع نے موکل کی وجہ سے پیسے واپس کر دیے تو ایسی صورت میں پوری رقم موکل کو لوٹانا لازم ہوگا۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ (۳/ ۵۸۸)

وان حط البائع عن الوکیل بعض الثمن فإنه يحطه عن الموکل، ولو حط البائع جميع الثمن لا يظهر ذلك في حق الموکل حتى كان للوکیل أن يرجع على الموکل بجميع الثمن. ولو وهب البائع بعض الثمن عن الوکیل يظهر ذلك في حق الموکل حتى لم يكن للوکیل أن يرجع على الموکل بذلك القدر ولو وهب كل الثمن لا يظهر ذلك في حق الموکل. ولو أبرأه البائع عن جميع الثمن فالجواب فيه كالجواب في هبة جميع الثمن كذا في المحيط. ولو وهب البائع منه خمسمائة ثم وهب الخمسمائة الباقية لا يرجع الوکیل على الموکل بالخمسمائة الأولى ويرجع بالخمسمائة الثانية لأنه هبة ولو وهب تسعمائة ثم وهب منه المائة الباقية فإنه لا يرجع على الموکل إلا بمائة وهذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى كذا في فتاویٰ قاضی خان والله أعلم.

(۲) حاشیة ابن عابدین (۷/ ۳۰۴)

وهذه المسألة مبنية على ما تقدم في البيوع أن هبة بعض الثمن حط لا هبة كله؛ لأن الحط يلتحق بأصل البيع وفي حط البعض يبقى البيع بالباقي فيرجع به على موكله هنا ولو جعل هبة الكل حطاً لصار بيعاً بلا ثمن فيفسد بها البيع؛ فلذلك جعل هبة مبتدأة للوکیل فيرجع على الموکل بالثمن للمعقود عليه كله، فلو وهبه إياه بدفعتين أو أكثر كان ما قبل الأخير حطاً وكانت الهبة الأخيرة مبتدأة فيرجع على الموکل بقدرها فقط. والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب



عبد اللہ ولی عقیلی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۵۱۳۳۸/۲/۲۱

الجواب صحیح

محمد

۵۱۴۳۸/۲/۲۲

البرابری صحیح
اتقوا اللہ و غفوا اللہ
۱۴۳۸/۲/۲۲



البرابری صحیح
۱۴۳۸/۲/۲۲